اسلامی قانون تعزیرات

(۲)

حدودِ شرعیہ

از: ڈاکٹر عبدالعزیز عامر

ترجمہ: معروف شاہ شیرازی

شراب نوشی قرآن کریم صراحت کے ساتھ شراب کو حرام قرار دیتا ہے:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ ۔ (المائدہ، ۹۰)	شراب اور جُوا اور بت اور پانسے ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں سو اُن سے بچتے رہنا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع کے موقع پر جب شراب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "شراب بذاتِ خود حرام ہے اور وہ تمام پینے کی چیزیں جن سے نشہ ہو۔" امام مالک نے ابنِ شہاب زہری سے اور انہوں نے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بتع[1] اور نبیذ عسل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "ہر وہ مشروب جو نشہ دے، حرام ہے۔" امام مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے"[2]۔

یہ اور اس جیسی بہت سی اور نصوص شراب کی حرمت میں وارد ہیں۔ لہٰذا یہ جرم بذاتِ خود کتاب و سنت کا منصوص علیہ جرم بن جاتا ہے اور کسی کے لیے اس کی حرمت میں شک کی گنجائش

---

[1] بتع اس شراب کو کہتے ہیں جو گندم اور جو سے بنائی جاتی ہے۔

[2] بدایۃ المجتہد، ابن رشد، ج ۱ ص ۳۴۲ اور اس کے بعد۔ احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۳۲۴

نہیں رہتی۔ نیز اس میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ انگوروں سے جو شراب تیار ہوتی ہے اس کی ہر مقدار حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ البتہ نبیذوں کے معاملہ میں اختلاف ہے۔ ان میں بھی اس حد تک تو اتفاق ہے کہ ان کی جس مقدار سے نشہ پیدا ہو وہ حرام ہے۔ لیکن اُس تھوڑی مقدار کے حکم میں اختلاف ہے جو نشہ آور نہیں ہے۔ حجاز کے جمہور فقہاء اور اکثر محدثین کا یہ خیال ہے کہ وہ بھی حرام ہے۔ اور عراقیوں میں سے ابراہیم النخعی، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، شریک، ابن شُبرمہ اور ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ انگوروں کے سوا دوسرے مشروبات میں نشہ حرام ہے اصل شئے حرام نہیں ہے۔[1]

یہاں تک جو بحث کی گئی ہے وہ جرم شراب نوشی کے متعلق تھی۔ رہی اس کی سزا تو قرآن کریم میں اس کے لیے کوئی مقررہ سزا بیان نہیں ہوئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے یہ روایت ہے کہ آپ نے شراب کی سزا میں کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔ لیکن آپ شراب نوش کو کسی خاص سزا کے تعیّن کے بغیر جوتوں، اور کپڑے کی سونٹیوں اور کھجور کی شاخوں سے پٹواتے تھے۔ سنن ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے شراب پی تھی۔ آپ نے فرمایا "اسے پیٹو"۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اسے ہاتھ سے مارتا تھا، کوئی جوتوں سے مارتا تھا اور کوئی اپنے کسی کپڑے سے مارتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اسے ملامت کرو"۔ چنانچہ لوگ اسے کہنے لگے "کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا"۔ "تجھے اللہ کا خوف نہیں"۔ "تجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم سے بھی حیا نہ آئی"۔ اس کے بارے میں ابن فرحون کہتے ہیں کہ یہ زبان سے تعزیر ہے۔ نیز اس سے یہ استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ حد کے ساتھ تعزیر جمع ہو سکتی ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کے اندازے کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں مارنے کی تعداد چالیس ضرب تھی۔ نَیل الاوطار میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے شراب نوش

---

[1] اس بارے میں ہر فریق کے دلائل کے لیے ملاحظہ ہو معین الحکّام ص ۱۰۹، ۱۸۰۔ بدایۃ المجتہد، ابنِ رشد جزء ۱ ص ۳۸۲ اور اس کے بعد۔ اور جزء ۲ ص ۳۷۰، ۳۷۱۔ الاحکام السّلطانیہ، الماوردی ص ۲۱۶۔ الاحکام السلطانیہ ابو یعلیٰ ۲۵۲۔ احکام القرآن للجصاص جزء ۱ ص ۳۲۴۔ نیل الاوطار للشوکانی جزء ۷ ص ۵۰۔

کو کھجور کی دو شاخوں کے ساتھ تقریباً چالیس ضربات لگوائیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب میں جوتوں سے چالیس دفعہ پٹوایا، پھر حضرت عمرؓ نے جوتے کی جگہ کوڑے کر دیئے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی کے جرم میں چالیس ضربات لگوائیں۔ امام شافعیؒ اسی روایت پر عمل کرتے ہیں۔ سائبؓ نے بیان کیا ہے کہ شراب نوش کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی عہد میں ہاتھوں، چادروں اور جوتوں سے مارا جاتا تھا۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے چالیس کوڑے کر دیئے اور جب لوگ زیادہ فسق و فجور کرنے لگے تو اسّی کر دیئے۔

ان روایات کی بنا پر شراب نوشی کی سزا کے بارے میں جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ اس کی سزا اسّی کوڑے ہے۔ اور امام شافعیؒ، ابو ثور اور داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ حد چالیس کوڑے ہے۔ جمہورؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب لوگ شراب نوشی کا جرم زیادہ کرنے لگے تو آپؓ نے صحابہ کرام سے اس جرم کی سزا کے بارے میں مشورہ کیا۔ بعض صحابہ نے رائے دی کہ اس کی سزا اسّی کوڑے کر دی جائے اور اسے حدِ قذف پر قیاس کر لیا جائے۔ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایات میں آیا ہے کہ "جب وہ شراب پیتا ہے تو آپے میں نہیں رہتا، اور جب آپے میں نہیں رہتا تو ہذیان بکتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو افترا پردازی کرنے لگتا ہے۔" اس مشاورت کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کی حد اسّی کوڑے مقرر کر دی جبکہ وہ پہلے اِس جرم میں چالیس کوڑے لگوایا کرتے تھے۔ دوسرے فریق کا استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی میں کوئی خاص حد مقرر نہیں کی بلکہ اس پر بلا تعیّن مار پیٹ ہوتی تھی جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ صحابہ نے حضور کی مار کو اندازاً چالیس سمجھا اور ایک روایت میں بھی ہے کہ آپ نے چالیس کوڑے مارے[1]۔

---

[1] معین الحکام ص ۱۷۹، ۱۸۰۔ بدایۃ المجتہد، ابنِ رشد جز ۲ ص ۳۷۱ تبصرۃ الحکام، ابن فرحون، برحاشیہ فتح العلی المالک جز ۲ ص ۲۶۶ طبع اوّل مطبع امیریہ بولاق مصر سنہ ۱۳۰۰۔ الاحکام السلطانیہ، الماوردی

مندرجہ بالا بحث کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شراب نوشی کی سزا کو چالیس کوڑوں سے اسّی کوڑے کرنا حضرت عمرؓ کا فعل ہے جو آپ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد صحابۂ کرام کے مشورے سے کیا۔[1] اسی وجہ سے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کو اسّی کوڑے حد مقرر کرنے کا مشورہ دیا تو فرمایا "یہ وہ حد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد صحابہ کی رائے سے تجویز ہوئی"۔ اب اگر اُن روایات کا اعتبار کیا جائے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے زمانے میں اِس جرم پر کوئی معیّن سزا نہیں دی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضوؐر کے زمانے میں شراب پر کوئی حد مقرر نہ تھی بلکہ صرف تعزیر تھی، کیونکہ شرعی اصطلاح میں غیر معیّن سزا کو تعزیر کہا جاتا ہے۔ اور اگر ان روایات کا اعتبار کیا جائے جن میں کہا گیا ہے کہ حضوؐر کے زمانے میں یہ سزا چالیس کوڑے مقرر تھی جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں تو پھر یہ سزا حد قرار پائے گی نہ کہ تعزیر۔ پھر جب صحابہ کے زمانہ میں چالیس سے زیادہ ضربات تجویز کی گئیں، تو یہ زائد ضربات حد نہیں بلکہ تعزیر ہونگی، اور امام کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر حدود کے ذریعہ سے لوگوں کو جرائم کے ارتکاب سے باز نہ رکھا جا سکے تو وہ حدود پر تعزیر کا اضافہ کر سکتا ہے۔

ارتداد مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو جانے کو ارتداد کہتے ہیں، خواہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد کوئی دوسرا دین اختیار کر لے، یا کوئی دین بھی اختیار نہ کرے۔[2]

قرآن کریم میں اس کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ	اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے اور کافر ہی مرے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و

ص ۲۱۶۔ الاحکام السّلطانیہ، ابویعلیٰ ۲۵۳۔ نَیلُ الاوطار، الشوکانی جزء ۷ ص ۱۹۔

[1] موجودہ زمانے کے قانونی طرزِ بیان کے مطابق یہ گویا ACT OF PARLIAMENT تھا (مترجم)۔

[2] تبصین الحکّام، ص ۱۸۶۔ الاحکام السلطانیہ، الماوردی ص ۵۱-۵۲۔ المُغنی، ابن قدامہ، جزء ۱۰ ص ۷۴۔

اَعۡمَالُهُمۡ فِي الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ هُمۡ فِيهَا خٰلِدُوۡنَ۔ (البقرہ ۲۱۷) آخرت دونوں میں ضائع ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخ میں جانے والے ہیں۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے "من بدّل دینه فاقتلوه (جو مسلمان اپنے دین کو بدل دے اسے قتل کر دو)۔ جب حضور نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو اس موقع پر انہیں ہدایت دیتے ہوئے حکم دیا کہ وہ مرتد مرد اور مرتد عورت کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے بعد بصورت انکار اس کی گردن اڑا دیں۔ علاوہ بریں بکثرت صحابہ سے قتل مرتد کی روایات منقول ہیں، مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم۔ اور کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ اس طرح قتلِ مرتد پر اجماع بھی منعقد ہو گیا۔[۱]

ان دلائل سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ارتداد کا جرم قرآن اور سنت کا ایک منصوص جرم ہے اور اس کے جرم ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ نیز یہ کہ اس جرم کی سزا بھی سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

مرتد اگر کچھ افراد ہوں جو دار الاسلام میں حاکمِ وقت کی دسترس میں ہوں تو ان سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے ارتداد کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر یہ پتہ چلے کہ انہیں دین میں کوئی شبہ لاحق ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ مرتد ہوئے ہیں تو دلائل و براہین سے اُن پر حق واضح کرنا چاہیے اور انہیں موقع دینا چاہیے کہ وہ کفر سے باز آ جائیں۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور وہ اسی طرح مسلم تصور ہوں گے جس طرح پہلے تھے۔

مرتد سے توبہ کرانے کے مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ بہت سے فقہاء کے نزدیک مرتد کو سزا دینے سے پہلے اس کے سامنے توبہ کی پیش کش واجب ہے۔ امام مالک، ثوری، اوزاعی اور اصحاب الرائے کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی اور امام احمد سے بھی ایک ایک قول اسی کی

---

[۱] بدایۃ المجتہد، ابن رشد ج ۲ ص ۳۸۳۔ المغنی، ابن قدامہ ج ۱۰ ص ۷۴۔ احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۲۸۶۔ نیل الاوطار شوکانی، جلد ۷ ص ۹۸، ۱۰۰۔

تائید میں منقول ہے۔ البتہ امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص خفیہ طور پر بے دینی میں مبتلا ہو کر مرتد ہو جائے اس کو سزا دینے سے پہلے توبہ کرانے کی کوشش ضروری نہیں ہے الّا یہ کہ توبہ کی ابتدا اس کی جانب سے ہو۔ باقی تمام مرتدین کو توبہ کا موقع دیا جائے گا جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ امام احمد سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ مرتد کے سامنے توبہ کی پیش کش واجب نہیں ہے بلکہ یہ صرف مستحب ہے۔ امام شافعی کا بھی دوسرا قول یہی ہے۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ جس نے اپنا دین بدلا اسے قتل کر دو۔ اس میں توبہ کی پیش کش کا ذکر نہیں ہے لیکن وہ لوگ جو توبہ کی پیش کش کو ضروری سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جس مرتد عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا اس کے بارے میں آپ نے حکم دیا تھا کہ اس سے توبہ کرائی جائے اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس مقدمہ میں توبہ کا موقع دینے کے بعد اسے قتل کر دینے کا حکم دیا گیا تھا[۱]

جو شخص اپنے ارتداد پر اصرار کرے اس کا قتل مذکورۂ بالا دلائل کی بنا پر واجب ہے[۲]۔ اب رہا یہ سوال کہ آیا اسے بلا تاخیر قتل کر دیا جائے یا اس کو کچھ مہلت دی جائے؟ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اسے بلا تاخیر قتل کر دیا جائے تاکہ اللہ کا حق مؤخر نہ ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اسے تین دن کی مہلت دی جائے، شاید کہ اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے۔ اس آخری رائے کے حق میں اس واقعہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مستورد عجلی کو تین دنوں تک توبہ کرنے کی مہلت دی تھی اور اس کے بعد اسے قتل کیا تھا[۳]

میں یہ سمجھتا ہوں کہ مرتد کو تین دنوں کی مہلت دینے میں مصلحت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان دنوں میں وہ اپنے دل میں سوچ لے اور حق کی طرف لوٹ آئے۔ یہ احتمال کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئے گا، میرے نزدیک مہلت کی رائے کو راجح کر دیتا ہے خصوصاً جبکہ مہلت کی صورت

---

[۱] بدایۃ المجتہد، ابنِ رُشد ج ۲ ص ۳۸۳۔ المُغنی، ابن قدامہ ج ۱۰ ص ۷۴، احکام السلطانیۃ الماوردی ص ۵۲۔

[۲] الاحکام السلطانیہ، الماوردی ص ۵۲

[۳] الاحکام السلطانیہ، الماوردی ص ۵۲

میں اختتامِ مہلت کے بعد اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کے سزا سے بچ نکلنے کا کوئی موقع نہیں ہے لہٰذا مہلت دینے میں کوئی نقصان نہیں ہے جبکہ اس میں مصلحت بھی ہے۔

عورت اگر مرتد ہو تو اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا مرد کی طرح اسے بھی قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ ارتداد کے حکم میں مرد اور عورت بالکل برابر ہیں۔ یہ رائے حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، امام مالک، لیث، شافعی اور امام احمد کی ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ قید کر دیا جائے اور اسلام کی طرف پلٹ آنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسلام پر مجبور کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے قید کیا جائے اور ہر دن قید سے نکال کر اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے۔ اگر وہ انکار کرے تو اسے کچھ کوڑے لگائے جائیں اور پھر قید کر دیا جائے۔ یہ سلسلہ برابر جاری رکھا جائے یہاں تک کہ وہ اسلام کے دائرے میں واپس آجائے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جنگ میں عورت کو قتل نہ کیا جائے۔ امام صاحب نے مرتد ہونے والی مسلمان عورت کو اس عورت سے مشابہ قرار دیا ہے جو ابتدا سے کافرہ ہو۔ لیکن جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے کہ "جس نے اپنے دین کو بدلا اسے قتل کر دو۔" نیز یہ حدیث کہ "سوائے تین صورتوں کے کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے۔ شادی شدہ زانی، قاتلِ نفس اور دین کو چھوڑنے والا، جس نے جماعتِ مسلمہ سے جدائی اختیار کر لی ہو۔" اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ حضورؐ کے عہد میں ایک عورت مرتد ہو گئی۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کے سامنے توبہ کی پیشکش کی جائے۔ اگر وہ باز آجائے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ مزید برآں عورت بھی مرد کی طرح ایک شخصِ مکلّف (RESPONSIBLE PERSON).[۱] ہے۔ اس نے اگر دینِ حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار کر لیا تو واجب ہے کہ جس طرح اس حالت میں مرد کو قتل کیا جاتا ہے اسے بھی قتل کیا جائے۔

---

[۱] معین الحکام ص ۱۸۶۔ بدایۃ المجتہد، ابنِ رشد جزء دوم ص ۳۸۳۔ الاحکام السلطانیہ، الماوردی ص ۵۲۔ المغنی، ابن قدامہ جزء ۱ ص ۷۴، ۷۵۔

میرے نزدیک ارتداد کے معاملہ میں مرد اور عورت کے درمیان فرق نہیں کیا جا سکتا۔ اس معاملہ میں جمہور کے پیش کردہ دلائل مضبوط ہیں اور مرتدہ کو اصلی کافرہ پر قیاس کرنا بھی درست نہیں ہے۔

بغاوت | فقہاء باغیوں کی تعریف یوں کرتے ہیں "وہ لوگ جو امام کے خلاف خروج کریں، جماعت کی مخالفت کریں، اپنا ایجاد کردہ الگ مذہب اختیار کرلیں، ایسا کرنے کے لیے ان کے پاس دلائل پر مبنی تاویل ہو، اور انہیں مقابلہ کی قوت اور شوکت بھی حاصل ہو"[۱]

باغیوں کے بارے میں جو نصوص وارد ہیں ان میں سے ایک یہ آیت ہے:-

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ[۲]	اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع لائے۔ پس جب وہ رجوع لائے تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو۔ اللہ

---

[۱] الاحکام السلطانیہ، ابو یعلیٰ ص ۳۸ - الشرح الکبیر، جز ۱۰، ص ۴۹ اور اس کے بعد، طبع المنار ۱۹۴۸ء التشریع الجنائی الاسلامی مقارناً بالقانون الوضعی، استاذ عبدالقادر عودہ، جزء اوّل، القسم العام، طبع اول ۱۳۶۸، ۱۹۴۹ء ص ۱۰۰ اور اس کے بعد، نیز ص ۶۶۲، ۶۶۳-

[۲] الحجرات، آیت ۹- اس آیت کی شانِ نزول کے بارے میں یہ آیا ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا، حتیٰ کہ انہوں نے ہاتھوں اور جوتوں سے ایک دوسرے کو مارا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان لین دین پر جھگڑا ہوا۔ ایک نے کہا کہ میں زبردستی اپنا حق لے لوں گا کیونکہ اس کا خاندان زیادہ زور آور تھا۔ دوسرے نے کہا میرا اور تیرا فیصلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے آخرکار دونوں میں ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ گئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ دونوں گروہوں سے مراد

انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

حضرت انس اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میری امت میں اختلاف و افتراق ہو گا۔ ایسے لوگ پیدا ہونگے جو بات اچھی کرینگے لیکن ان کے اعمال خراب ہوں گے۔ وہ دین سے اُسی طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے جسم سے پار ہو جاتا ہے ؛ وہ اس وقت تک رجوع نہ کریں گے جب تک تیر اپنے سوفار کی طرف واپس نہ آجائے۔ یہ لوگ بدترین مخلوقات میں سے ہوں گے، خوش خبری ہے اُن لوگوں کو جو اُن کو قتل کریں یا اُن کے ہاتھوں قتل ہوں۔ وہ لوگوں کو خدا کی کتاب کی طرف بلائیں گے، حالانکہ ان کا اس سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔ جو شخص ان کو قتل کرے گا وہ ان کی بہ نسبت اللہ کے زیادہ قریب ہو گا" اعمش نے خیثمہ سے اور انہوں نے سُوید ابن غفلہ سے حضرت علیؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا "جب میں آپ لوگوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کوئی حدیث سناتا ہوں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میرے لیے یہ آسان ہے کہ میں آسمان سے گر جاؤں اور پرندے میری بوٹیاں نوچ لیں بجائے اس کے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب کروں۔ البتہ اگر ہم آپس میں بات چیت کر رہے ہوں تو ظاہر ہے کہ جنگ ایک قسم کا دھوکا ہے۔ میں نے حضو ؐلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: " آخر زمانے میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گا جو کم عمر اور کم عقل ہو گا۔ وہ لوگ ایسی باتیں کریں گے جو تمام لوگوں کی باتوں سے اچھی معلوم ہوں گی مگر ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسا کہ تیر شکار کے جسم سے نکل جاتا ہے۔ اگر آپ لوگ اُن سے ملیں تو انہیں قتل کر دیں۔ ان کو قتل کرنے کا اجر ان کے قاتل کو قیامت کے دن ملے گا۔"

اوس اور خزرج ہیں۔ ان کے درمیان لاٹھی چل گئی تھی۔ ابو بکر جصّاص کہتے ہیں کہ آیت کے ظاہر الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ حکم دراصل باغی گروہ سے لڑنے کا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ البتہ عمومیت کے ساتھ اس کا اطلاق تمام باہمی لڑائی جھگڑوں پر ہوتا ہے۔ احکام القرآن، جصّاص جز ۳ ص ۳۹۹ مطبع الاوقاف الاسلامیہ ۱۳۲۵ھ

صحابۂ کرام میں سے کسی نے باغی گروہ کے ساتھ جنگ کرنے سے اختلاف نہیں کیا ہے جبکہ جنگ کے سوا ان پر کوئی اور چیز کارگر نہ ہو رہی ہو۔ خروج کرنے والوں سے لڑنے پر سب کا اتفاق ہے[1]۔

باغیوں کے بارے میں احکام ان کے حالات کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف ہیں:

اگر وہ اپنے عقیدے پر قائم رہتے ہوئے امام کی اطاعت سے عملاً خروج نہ کریں، نہ کسی خاص علاقے میں جمع ہوں بلکہ ایسے افراد کی طرح رہیں جو ہر وقت امام کی دسترس میں ہوں تو ان سے تعرض کیے بغیر ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا اور حقوق اور حدود میں ان پر اہلِ عدل کے احکام جاری ہوں گے[2]۔

اگر وہ اہلِ عدل کے درمیان رہتے ہوئے اپنے اعتقاد کا علانیہ اظہار کریں تو امام کا یہ کام ہوگا کہ پہلے وہ ان کے عقائد کی غلطی ان پر واضح کرے تاکہ وہ حق بات کو مان لیں اور جماعتِ مسلمہ کے طریقہ کی طرف پلٹ آئیں۔ پھر بھی وہ اپنے غلط عقائد و افکار پر جمے رہیں تو امام کے لیے یہ جائز ہوگا کہ وہ انہیں کوئی ایسی سزا دے جو اس حالت میں وہ ان کے لیے مناسب سمجھے[3]۔

لیکن اگر یہ باغی گروہ اہلِ عدل سے الگ ہو کر کسی خاص مقام یا علاقے میں جمع ہو جائے تو اس صورت میں بھی جب تک وہ کسی حق (OBLIGATION) کی ادائیگی سے انکار نہ کرے اور امام کی اطاعت سے باہر نہ ہو جائے۔ اس سے جنگ نہ کی جائے گی۔ حضرت علیؓ کے زمانہ

---

[1] احکام القرآن للجصاص، ج ۳ ص ۴۹۱ اور اس کے بعد ۔ طبع ۱۳۴۸ھ۔

[2] الاحکام السلطانیہ، الماوردی ص ۵۶۔ الاحکام السلطانیہ، ابو یعلی ص ۳۸۔ ابو یعلی لکھتے ہیں کہ خوارج کے کچھ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا اظہار کیا اور ایک روز جبکہ آپ خطبہ دے رہے تھے، ان میں سے ایک نے نعرہ بلند کیا "لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہ"۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "یہ بجائے خود حق بات ہے مگر تم اس سے غلط معنی لے رہے ہو۔ تمہارے معاملہ میں ہم تین باتوں کے پابند ہیں۔ ہم تمہیں مساجد میں اللہ کا ذکر کرنے سے نہ روکیں گے۔ تمہارے خلاف اپنی طرف سے جنگ کی ابتدا نہ کریں گے اور جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ساتھ ہیں فئے میں تمہارا حصہ دینے سے ہم انکار نہ کریں گے۔ [3] احکام السلطانیہ الماوردی ص ۵۶۔ احکام سلطانیہ ابو یعلی ص ۳۵-۳۶

میں خوارج کا ایک گروہ الگ ہو کر نہروان میں جمع ہو گیا تھا۔ حضرت علیؓ نے ان پر اپنا ایک عامل مقرر کر دیا جس کی وہ ایک مدت تک اطاعت کرتے رہے اور حضرت علیؓ نے اُن سے کوئی تعرض نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ باغی جب تک امام کی اطاعت پر قائم رہیں اُن سے جنگ نہ کی جائیگی خواہ وہ کسی علیحدہ علاقے میں اکٹھے بھی ہو جائیں[1]۔

لیکن اگر یہ گروہ امام کی اطاعت سے انکار کر دے اور وہ حقوق ادا نہ کرے جو اس پر واجب ہیں، اور خود ٹیکس وصول کرنا اور اپنے احکام جاری کرنا شروع کر دے، تو اس کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنا کوئی امام مقرر کیے بغیر یہ کام کریں۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنا ایک امام بنا لیں۔ اگر وہ کسی امام کے بغیر یہ سب کچھ کرتے ہیں تو اس شکل میں وہ جو اموال لیں گے وہ غصب تصور ہوگا اور جن لوگوں سے وہ یہ اموال لیں گے ان کے ذمہ حکومت کے واجبات باقی رہیں گے۔ اسی طرح ان کی قائم کردہ عدالتیں جو فیصلے کریں گی وہ سب کالعدم ہونگے۔ ان سے کوئی حق ثابت نہ ہوگا۔ بخلاف اس کے اگر وہ اپنا ایک امام مقرر کر لیتے ہیں اور اس امام کے کہنے پر ٹیکس وصول کرتے ہیں اور اس کی منظوری سے عدالتیں قائم کرکے فیصلے کرتے ہیں تو اس صورت میں لوگ جو ٹیکس ان کو ادا کریں گے اس کا مطالبہ ان سے نہ کیا جائے گا اور ان کی عدالتیں جو فیصلے کر دیں گی وہ کالعدم قرار نہیں دیئے جائیں گے۔ یہ معاملہ تو صرف اموال اور احکام کے بارے میں ہے لیکن دونوں صورتوں میں خواہ وہ امام مقرر کریں یا نہ کریں ان سے جنگ ضرور کی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ دائرۂ اطاعت میں واپس آجائیں[2]۔

معین الحکام میں ہے کہ جس وقت امام کو یہ اطلاع ملے کہ باغی جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اسی وقت اسے اقدام کرنا چاہیے اور انہیں پکڑ کر قید کر لینا چاہیے تاکہ وہ اپنے ارادوں پر عمل ہی نہ کر سکیں۔ کیونکہ شر کو اس کے وقوع سے قبل ہی مٹا دینا زیادہ آسان ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ واقع ہو جائے۔ لیکن اگر امام کو علم نہ ہو اور باغی لشکر اکٹھا کر کے جنگ کے لیے تیار ہو جائیں تو امام کو چاہیے کہ پہلے ان کو حق کی طرف پلٹ آنے کی دعوت دے، اگر وہ مان جائیں تو فبہا، ورنہ ان کے ساتھ لڑنا اور انہیں شکست دینا واجب ہوگا۔

(باقی)

---

[1] الاحکام السلطانیہ ابو یعلیٰ ص ۹ ۳ [2] الاحکام السلطانیہ، الماوردی ص ۵۶ - ابو یعلیٰ ص ۳۹ [3] معین الحکام ص ۱۸۹